معیار: علمی وتحقیقی مجلّہ،شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی،اسلام آباد،جلد:۲،شمارہ:۱ جنوری-جون ۲۰۱۰ء

استدراکات

''معیار''،جلد:۱،شمارہ:۲

''اُردو کی ابتدائی لغات اور نصاب نامے''از رؤف پاریکھ، ص ۶۹-۸۷

اس مقالے کے بارے میں دو باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ان معروضات پر اصرار نہیں،صرف آپ سے شیئر کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں۔پہلی بات اس کے عنوان کے حوالے سے ہے۔

عنوان مقالہ میں نصاب نامہ سے پہلے (بریکٹ ہی میں سہی) منظوم کا لفظ بھی آجاتا تو مناسب ہوتا۔ یہ آج کے مطالعاتی روّیوں کے روز افزوں زوال کے سبب ہے۔ اگرچہ 'نامہ' کی مناسبت سے جو تصانیف ملتی ہیں، وہ اپنے مفہوم ہی میں اپنے شعری تعلق کا اظہار کرتی ہیں۔ جیسے مولودنامہ، وفات نامہ، جنگ نامہ، دردنامہ، میلادنامہ۔۔۔۔ وغیرہ۔ نامہ کی ترکیب سے ملنے والی ایسی تصانیف کی بیسیوں قسمیں ہیں (میں نے قریباً تیس سال پہلے اپنے مقالے میں ایسی تصانیف کی اپنی معلومات اور دستیاب وسائل کی حد تک نشان دہی بھی کی تھی)۔ان کی تعداداُردو تصنیف وتالیف کی پہلی دو صدیوں ہی میں سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے جو چار ورقی، سولہ ورقی سے لے کر سینکڑوں صفحات اور ہزاروں اشعار پر مشتمل ہیں۔ اُردو ہی میں نہیں پنجابی اور دوسری علاقائی زبانوں میں بھی۔۔۔۔ لیکن 'نامہ' کا لفظ نثری تصانیف اور دستاویزات کے حوالے سے بھی رائج ہے۔ جیسے عدالتی زبان میں بیع نامہ، اقرار نامہ اور کرایہ نامہ وغیرہ جو ظاہر ہے نثر میں تحریر ہوتے ہیں ویسے کچھ مولودنامے بھی نثر اور اکثر نظم اور نثر دونوں میں ملتے ہیں۔

'نصاب نامہ' میں بلاشبہ 'نامہ' کی مناسبت ہی تصنیف کو نظم (شعر) سے جوڑ دیتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ 'نصاب نامہ' کی اصطلاح بطور منظوم ذولسانی لغت یا کثیر اللسانی لغت کے لیے ہمارے ہاں کم کم استعمال ہوئی ہے۔ ہمارے آج کے قاری اس طرزِ لغت سے زیادہ متعارف نہیں۔[کبھی وہ دور بھی تھا کہ نماز نامہ، ایمان نامہ (منظوم) گھروں میں عام پڑھے جاتے تھے۔عورتوں کو منظوم دعانامے یاد تھے وہ پڑھتیں تو بچے اُن کے ساتھ دہراتے۔

اورتو اور کتاب الشفا بھی منظوم صورت میں عورتوں کو ازبر تھی ؂

اگر خون کم بنے بلغم زیادہ — تو کھا گاجر، چنے، شلجم زیادہ

جو چاہے زخم سے آرام جلدی — تو پھر اس پر لگا تھوڑی سی ہلدی

وغیرہ]

ہمارے عام لغاتوں کو چھوڑیئے اُردو لغت (کراچی) میں بھی نصاب نامہ کے حوالے سے کوئی جداگانہ اندراج نہیں۔'نامہ' میں بھی کہیں ذیلی اور ضمنی انداز میں 'نصاب نامہ' کی ترکیب نہیں ملتی۔لغت نامہ دہخدا (تہران) بھی اس بارے میں خاموش ہے۔ وہاں یہ لفظ نصاب (زکوٰۃ) کے جملہ مفاہیم کے ذیل میں ہے۔ یہ اصل۔ اوّل۔ جائے غروبِ آفتاب۔ مال۔ سرمایہ۔ رتبہ۔ لیاقت اور بہرہ وغیرہ کے مفہوم میں بھی ہے۔ تدریس (Syllabi' Syllabus) یا (Curriculum) کے معنی میں نہیں (یہاں ایک اور بحث کا سرا ہاتھ لگتا ہے۔ کہ جدید فارسی میں

درس وتدریس کے ضابطے اور خطوط کار کے لیے کیا الفاظ مستعمل ہیں؟ انھوں نے درس وتدریس سے اس کی Glosseme بنائی ہے۔ برنامہ 'درسی'، مواد و درس وغیرہ بہر حال نصاب نامہ کی اصطلاح (جو ہمارے ہاں منظوم لغات کے حوالے سے مستعمل رہی ہے اور جو اپنی دلالتِ وضعی کے اعتبار سے بھی بامعنی اور خوب صورت ہے)۔ اصنافِ سخن یا اصنافِ ادب کی موجود فہرستوں میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ جیسا کہ دوسخنہ، پہیلی اور انمل (ان مِل) تک کی ہیئتوں، شعری اسالیب، اصناف تک کا جداگانہ ذکر کہیں کہیں نظر آجاتا ہے۔۔۔۔۔ اس لیے اگر مقالے کے عنوان میں نصاب نامہ سے پہلے (منظوم) کا ذکر بھی کر دیا جائے تو مقالے میں تمام قارئین کی دلچسپی عنوان ہی سے قائم ہو جائے گی۔ انگریزی خلاصہ میں بھی (Versified Dictioneries) کے الفاظ ہیں۔

دوسری بات جو پہلی بات (عنوان) سے اہم ہے۔ مقالے کا اس طرزِ لغت کی مثالوں سے خالی ہونا ہے۔۔۔ حیرت انگیز حد تک، ایک مثال سے بھی۔۔۔ یہ ایک ایسا سہو ہے جس پر اہتمام کا گمان ہوتا ہے۔ اس مقام پر جہاں نصاب نامہ کی تعریف کی گئی ہے، وہاں کسی نصاب نامہ کے دو چار شعر دے دیئے جاتے تو اس سے یقیناً بہتوں کا بھلا ہوتا۔ مجھے یاد ہے اپنے انٹرمیڈیٹ کے زمانے میں 'لالی عماں' نامہ کی ایک تصنیف (مصنف۔۔۔۔؟ چڑیا کوٹی۔۔۔ پورا نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہا) ندوہ کے معروف سائز میں یہ کتاب گزشتہ صدی کی دوسری دہائی میں چھپی ہوئی ہے۔ میں یہیں پہلی بار اس طرزِ لغت سے متعارف ہوا۔ اس میں ایک مضمون حضرت امیر خسرو سے منسوب ''خالق باری'' کے حوالے سے تھا (دیگر مضامین بھی امیر خسرو کے انمل دوسخنوں اور پہیلیوں وغیرہ سے متعلق تھے) مجھے یاد ہے اس میں ہم معنی الفاظ کے ساتھ ترجمہ کے چھوٹے چھوٹے جملے بھی تھے مثلاً ؂

بیا برادر آ رے بھائی
بنشیں مادر، بیٹھ ری مائی

وغیرہ

زیرِ نظر مقالے میں ایک مقام پر نصاب نامہ کے ضمن میں یا کہیں حاشیے میں لغت نویسی کے اس انداز (نصاب نامہ) کے ایک دو نمونے دینے سے یہ مقالہ عام قارئین ہی نہیں، اساتذہ کے لیے بھی زیادہ دلچسپ ہو جاتا۔ تعجب ہے بیسیوں نصاب ناموں کے بارے میں معلومات کی جمع آوری میں کہیں ایک مثال بھی ایسی نہیں جس سے آج کا قاری اس اسلوبِ لغت سے متعارف ہو سکے۔

بہر حال یہ میری رائے ہے اور مجھے اس پر اصرار نہیں۔ ہر مقالہ نگار اپنے مزاج/دستیاب وسائل اور مقالے کے داخلی فارمیٹ (کہ اس کا مخاطب کون ہے؟) کے حوالے سے مقالہ لکھتا ہے قاری کی توقع کی بجائے وہ مقالہ نگاری کے مختلف تقاضے اپنے اسلوبِ طبع کی رہبری میں پورے کرتا ہے۔ ویسے بھی ؂

کارِ دنیا کسے تمام نکرد

دوسرے مقالہ نگاروں کے لیے کام کی گنجائش بھی ایسے ہی پیدا ہوتی ہے۔

نصاب ناموں کے تہذیبی و معاشرتی پہلوؤں، تدریسی ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کا ہیئتی، اسلوبیاتی اور نفسیاتی مطالعہ اور تجزیہ ایک جداگانہ موضوع ہے۔ یہ نصاب نامے مختصر بحروں (مثنویوں کی مروّج بحروں) میں لکھے جاتے تھے۔ نفسیاتی طور پر لکھنے والے کے ذہن میں یہ بات ہوتی تھی کہ ان اشعار کو ازبر کیا جاتا ہے۔ Single Utterance کے طور پر وہ چند الفاظ یا چھوٹے جملوں کو فعولن فعولن فعولن فعولن۔۔۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن۔۔ مفعول مفاعلن فعولن فعلن فعلن فعلن فعل کے اندر ختم کرتا ہے۔۔۔ یعنی چھوٹی بحر میں۔ ویسے اپنی ترجمہ جاتی لچک کے لیے مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن کا آہنگ زیادہ موزوں ہے کہ اس کے آخری رکن کو فعلن کر کے یعنی بڑھا کے عروضی آہنگ کے اندر ہی رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن میرے ذہن میں ایسی کوئی مثال نہیں جس میں اس (نسبتاً طویل) آہنگ کا فائدہ اٹھایا گیا ہو۔ اس

آہنگ میں شاید کچھ نصاب نامے ہوں مگر میری کوتاہ مطالعہ کہ میں نے زیادہ نامے معراج نامہ، میلاد نامہ، مناجات نامہ، نماز نامہ اور دعا نامہ وغیرہ۔۔ جو یاد رکھنے کے لیے لکھے گئے چھوٹی بحروں میں ہی دیکھے ہیں۔

نصاب ناموں کی جمع آوری کے لامثال تحقیقی کام میں مختلف جگہوں اور تصانیف سے دو چار حوالے ایک بڑے تنقیدی کام کو پیش رفت مہیا کر سکتے تھے۔ زمانے، مصنف، متداول الفاظ، اُن کی پیش کش کا قرینہ یاد آوری، حفظ اور رواج پذیری کے امکانات کے حوالے سے ان نصاب ناموں کے محاسن اور تقابلی مطالعہ کی کوشش مثالوں ہی سے ممکن ہوسکتی ہے۔ پس اس مقالے میں اس کے فقدان سے قاری ان نصاب ناموں کے متون کے تصنیفی پایہ سے محروم رہتا ہے۔ یہ تحقیق کا وہ روّیہ اور اہتمام ہے جہاں وہ ایک ایسے متاثر کرنے والے مضبوط اور بلند وبالا قلعہ کی طرح نظر آتی ہے، جسے دیکھنے والا بہت مرعوب ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کے اندر نہیں جا سکتا۔ قاری کو تحقیق کی لذت سے آشنا کرنے کے لیے کہیں کہیں ان قلعوں میں ایک دو دروازے اور کھڑکیاں کھول ہی دینی چاہئیں۔

آج کے قاری کے لیے تحریر میں کچھ دلچسپی اور Readability کے عناصر موجود رہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اُردو'' اس حوالے سے ایک عمدہ مثال پیش کرتی ہے۔ وہ کتاب کے تعارف کے ساتھ کہیں کہیں متن کی انفرادیت کی نشان دہی بھی کرتے جاتے ہیں (مثالوں اور نمونوں کے ساتھ)۔

ریاض مجید

☆☆☆

''اُردو کی ابتدائی لغات اور نصاب نامے'' از رؤف پاریکھ، ص ۶۹۔۸۷

ایک اہم اُردو۔ فارسی لُغت کمال عترت از میر محمدی متخلص بہ عترت اکبر آبادی ہے۔ یہ ۱۱۶۱ھ یا ۱۱۸۹ھ میں لکھی گئی۔ راقم الحروف نے اسے مرتب کیا اور مقتدرہ قومی زبان، (اسلام آباد، ۱۹۹۹ء) کی طرف سے شائع ہوئی۔ میرے خیال میں یہ عبدالواسع ہانسوی کی ''غرائب اللغات'' کے بعد دوسری قدیم ترین اُردو۔ فارسی لُغت ہے۔ اس کا ذکر پاریکھ صاحب سے چھوٹ گیا ہے۔

عارف نوشاہی

☆☆☆

''میر تقی میر: ایک گم شدہ بیاض کی دریافت'' از معیار، ص ۱۸۹۔۲۱۲

اس مضمون پر تبصرہ کرنے سے پہلے ایک عمومی بات کہنا چاہتا ہوں، جب سے برّعظیم میں فارسی کا چلن زوال پذیر ہوا ہے اس کا بُرا اثر اُردو پر بھی پڑا ہے۔ ہمارے اُردو ادیبوں، شاعروں اور محققوں کی اکثریت فارسی سے نابلد ہے جس کی وجہ سے اُن کی تحریروں میں جب کبھی کسی فارسی شعر یا نثر کا اقتباس نقل ہوتا ہے تو عام طور پر غلط ہی ہوتا ہے (مستثنیات ہیں)۔ میں پاکستان و ہند کے اکثر جرائد میں اُردو کے ایسے مقالات دیکھتا ہوں جن میں اگر فارسی کا کوئی دخل ہے تو مقالہ نویس، کاتب یا پروف خوان نے اسے صحیح درج نہیں کیا ہوتا۔

محوّلہ بالا مضمون بھی اسی قبیل کا ہے۔ اس کے صفحات ۱۹۸۔۲۰۹ پر میر کے جو فارسی اشعار نقل ہوئے ہیں ان میں اگر کوئی ایک آدھ شعر صحیح نقل ہو گیا ہے تو یہ غنیمت ہے، ورنہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ پاکستان میں اُردو مجلّات میں فارسی کی زبوں حالی کا ''مرثیہ'' ہے۔ اس میں بھی وہی مسائل ہیں جو دیگر اُردو جرائد میں فارسی اشعار کے ساتھ پیش آ رہے ہیں، یعنی:

- ☆ اشعار صحیح نہیں پڑھے گئے۔
- ☆ اشعار صحیح کمپوز نہیں ہوئے۔

☆ کمپوز شدہ مضمون کی پروف خوانی توجہ سے نہیں کی گئی (اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک ہی مقام پر بعض اشعار دو بار کمپوز ہوئے ہیں، ص ۲۰۱ عرصۂ گیتی، ص ۲۰۳ ابرتر، ص ۲۰۳ تا چہ اندوہ وغیرہ)

عارف نوشاہی

☆☆☆

''پاکستان میں ایرانی مطالعات اور فارسی تحقیق متن کے مباحث'' از عارف نوشاہی ترجمہ عصمت درّانی، ص ۳۰۷۔۳۲۲

صفحہ ۲ پر فاضلؒ مقالہ نگار نے حافظ محمود شیرانی کے مکتب تحقیق اور ان کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وحید قریشی کو ان کا نامور شاگرد لکھا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر قریشی مرحوم نے بارہا اپنی محافل میں اس امر پر افسوس کیا ہے کہ ان کی تو شیرانی مرحوم سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

صفحہ ۳ محترم مقالہ نویس نے ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان کی فارسی کی صرف تین مطبوعات کا ذکر کیا ہے، جب کہ ان کے علاوہ بھی ان کی پیش قیمت انتشارات ہیں جن میں ''نجات الرشید''، ''عبرت نامہ از محمد قاسم لاہوری''، ''مراۃ العالم''، ''تاریخ ارادت خان''، ''بیان واقع''، ''اسرارِ احمدی''، ''کلیاتِ فیضی''، ''رقعات حکیم ابوالفتح گیلانی''، ''دیوان داراشکوہ''، ''دیوان دلشاد پروری''، ''گل رعنا''، ''آداب عالم گیری''، ''فتاویٰ جہانداری'' وغیرہ شامل ہیں اور اس ادارہ کا نام Reserach Society of Pakistan ہے۔

صفحہ ۵ اُردو سائنس بورڈ، لاہور کے فارسی سے اُردو تراجم میں مقالہ نگار نے صرف چار کے نام لکھے ہیں جب کہ ان کے تراجم میں ''تاریخ مخزن افغانی''، ''تاریخِ مبارک شاہی''، ''سلجوق نامہ''، ''طبقاتِ ناصری''، ''سیر الاولیا''، ''ظواہر اسرار''، ''تاریخِ فیروز شاہی'' بھی قابلِ توجہ ہیں۔ پیکجز لاہور کی فارسی مطبوعات میں سے صرف ''کلیاتِ غزلیاتِ خسرو'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جب کہ دو جلدوں میں ''قصائد خسرو'' بھی قابلِ توجہ ہیں۔

مجلسِ ترقی ادب لاہور کی مطبوعات میں سے فارسی کی ''کلیاتِ غالب''، ''انتخاب غزلیاتِ خسرو''، ''دیوان عمید کوہکی'' مرتبہ نذیر احمد، ''انشای فیضی''، ''شاہ جہان نامہ'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کے مجموعۂ مقالات کا نام مقالہ نگار نے ''زبان و فارسی ادب'' لکھا ہے جو درست نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح نام ''فارسی زبان و ادب'' ہے۔

محمد اقبال مجددی

☆☆☆

''دیوان ماہ لقا بائی چندا کا نایاب و غیر مطبوعہ مقدمہ'' ابتدائیہ از معیار، ص ۳۸۳

ابتدائیہ میں کہا گیا ہے کہ یہ فارسی مقدمہ خود ماہ لقا بائی چندا نے لکھا ہے۔ لیکن مقدمہ پڑھنے سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔

اوّلاً: ماہ لقابائی کو توصیفی القاب ''ماہ منیر فلک انبساط، برجیس منوّر بُرج نشاط، نازنینِ چار بالش رعنائی المخاطب ماہ لقابائی'' (ص ۳۹۲) سے یاد کیا گیا ہے جو ظاہر ہے خود ماہ لقا اپنے بارے میں نہیں کہہ سکتی تھی۔

ثانیاً: مقدمہ نگار کا نام مقدمہ میں موجود ہے یعنی ذوالفقار علی خان (ص ۳۹۴) جو دولتِ آصفیہ کا موروثی ملازم تھا اور اسے دربار سے یہ چند سطور لکھنے کا حکم ملا۔ ذوالفقار علی خان غالباً اس دیوان کی تدوین کی تاریخ بھی لکھنا چاہتے تھے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے ''اکنون تاریخ انتظام این دلگشا گلستان معروضِ سخن فہمان می گرداند و سالِ اختتام این فرحت افزا دیوان بہ معرضِ اظہار می رساند'' لیکن نسخہ میں اس کے بعد قطعۂ تاریخ کی جگہ خالی ہے۔

اُردو ابتدائیہ میں اس فارسی مقدمہ کے مندرجات کا چونکہ جائزہ نہیں لیا گیا، یہاں مختصراً بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مقدمہ حسبِ ذیل مواد پر مشتمل ہے۔

- ☆ حمد (ص ۳۸۴۔۳۸۵)
- ☆ نعت (ص ۳۸۵۔۳۸۶)
- ☆ حضرت علی کی منقبت (ص ۳۸۷۔۳۸۸)
- ☆ میر نظام علی خان فتح جنگ کی مدح اور اس کے رواں سالِ جلوس ۳۷ کا ذکر (ص ۳۸۸۔۳۹۰)
- ☆ غلام سیّد خان سہراب جنگ فرزند نواب ارسطو جاہ کی مدح اور سال ۱۲۱۳ھ کا ذکر (ص ۳۹۰۔۳۹۲) یہی تدوینِ دیوان کا سال ہے۔
- ☆ ماہ لقابائی اور دربار سے اس کے تعلق کا ذکر (ص ۳۹۲)
- ☆ غالباً سیّد نصیر الدین خان قدرت نے اس دیوان کی کتابت کی تھی (ص ۳۹۳)
- ☆ ذوالفقار علی خان کا بیان کہ اس نے یہ چند کلمات بطور مقدمہ لکھے ہیں (ص ۳۹۴۔۳۹۷)

عارف نوشاہی

☆☆☆

''زمانۂ تحصیل'' از محمد یامین عثمان، ص ۱۰۳۔۱۸۸؛ ''پاکستان کا تصور'' از فتح محمد ملک، ص ۳۳۵۔۳۵۶

… thanks particularly for bringing to light that manuscript of Majmu'a-e Niyaz. I saw Professor Barker several times, and I had known him when he was still writing his dissertation at Berkeley, but for some reason whenever I visited him at Minneapolis he showed me hardly any of his manuscripts. Perhaps he would have after he had published his wonderful three volumes on Urdu poetry, but by then I was not going there.

…to my best information, Sarojini Naidu was never known as Sarojini Das. Her maiden name was Sarojini Chattopadhya, as in fact the English article in the issue tells us. Atiya was utterly wrong when/if she identified her Miss Das with SN. Also,

as is well known, Sarojini knew Urdu very well, far better than Atiya, and might have even known some Persian. I heard many stories of her appreciation of Urdu poetry from Prof. Ale Ahmad Suroor when I wasa student at Lucknow U. Atiya, sadly, plays with truth much of the time. Even the opening line of her introd. gives the idea that she became ill soon after reaching England and remained ill most of the time. Not true, as her book shows.

Stephen P Cohen's name is misspelled every time it is mentioned. It is with an 'e'. It's tragic that ... (the reviewer) thinks his book should not have been translated into Urdu or was done due to some conspiracy. Its first line mentions something called the 'geographic wujuud' of Pakistan and links it to Iqbal. According to his logic, therefore, the Pakistan that came about in 1947 was not in accord with Iqbal, because Iqbal had never included Bengal in that vision. At least the late Professor Dani was more honest and informed in 1972. The review does not even quote from the Urdu translation. At least that would have helped me get some sense of the translation, how good it was. If he had a fight with Cohen, he should have written in English and published it in The Nation. He may not know but Brookings was set up in 1916 by an individual; it has remained a non-profit, private organization, and does not "work for the American Government" as ... (the reviewer) says.

He quotes from Z A Bhutto in English on p. 352, then in Urdu adds something of his own that Bhutto did not say. Bhutto was explicitly and exclusively speaking of Pakistan, but... (the reviewer) has to talk about the annihilation of the Muslims of the sub-continent. I know that the Muslims of India are not quite Muslim in his view, but surely the end of Pakistan, God forbid, would not mean the end of Bangladeshi Muslims too.

These are bad times, and sensationalism of that kind can be quite harmful to innocent people and young minds. Challenging the new imperialism requires new and more balanced thinking, and not a rehashing of old slogans.

C.M. Naim

Chicago